www.pildat.org

بیک گراؤنڈ پیپر
(مسودہ)

پاکستان میں بین الصوبائی پانی کے مسائل

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپیرینسی

www.pildat.org

بیک گراؤنڈ پیپر
(مسودہ)

پاکستان میں بین الصوبائی پانی کے مسائل

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈیولپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

پلڈاٹ ایک ملکی، خودمختار، غیر جانبدار اور بلا منافع بنیادوں پر کام کرنے والا تحقیقی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام ہے۔

پلڈاٹ، پاکستان کے ایکٹ برائے اندراجِ تنظیم 1860 کے تحت، ایک بلا منافع کام کرنے والے ادارے کے طور پر اندراج شدہ ہے۔

کاپی رائٹ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی ۔ پلڈاٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پاکستان میں طباعت کردہ

اشاعت:۔ ری 2011

آئی ایس بی این 978-969-558-201-7

اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ، پلڈاٹ کے واضح حوالے کے ساتھ، استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ناشر

ہیڈ آفس: نمبر 7، 9th ایونیو، F-8/1 اسلام آباد، پاکستان

رجسٹرڈ آفس: M-172، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، لاہور، پاکستان

ٹیلیفون: 345-123-111 (51-92+) فیکس: 3078-226 (51-92+)

E-mail: info@pildt.org; Web: www.pildat.org

مندرجات

- اختصارے اور سرنامیئے
- پیش لفظ
- مصنف کا تعارف
- پاکستان میں پانی کے بین الصوبائی گول میز کانفرنسز میں حصہ لینے والے شرکاء کی لسٹ 08
- پاکستان میں آبی مسائل کا جائزہ 09
- پاکستان میں موجودہ اور مستقبل میں پانی کی دستیابی اور ضرورت 09
- بین الصوبائی آبی مسائل کو حل کرنے کی اہمیت 11
- آبی وسائل کے تاریخی تقسیم 11
- مغربی پاکستان میں آبی وسائل پر برصغیر پاک و ہند کے اثرات 13
- بھارت اور پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدہ 1960 اور اس کے اثرات 14
- صوبوں کے درمیان پانی پر کیئے ہونے معاہدے 14
- نئے آبی ذخائر کی تعمیر اور صوبوں کے تحفظات 17
- پانی کے معاہدے کی مختلف تشریحات 17
- پنجاب اور سندھ کے درمیان چشمہ لنک کنال کس طرح تنازعہ کا باعث ہے۔ 19
- پانی کی دستیابی میں کمی اور بڑھتی ہوئی ضروریات کی تفصیل 19
- خیبر پختون خواہ میں کالا باغ ڈیم پر مختلف آراء 20
- صوبہ سندھ میں کالا باغ ڈیم اور دریائے سندھ پر دوسرے ذخائر کے بارے میں مختلف آراء 21
- سندھ اور بلوچستان میں پانی کی تقسیم پر اختلافات 24
- آبی وسائل سے متعلق پاکستان کے صوبوں یا علاقوں کے اٹھائے گئے دوسرے مسائل 25
- ٹیلی میٹری کی ضرورت 26
- صوبوں کے درمیان اختلافات کے حل کے لئے آئینی طریقے 26
- مستقبل کے لائحہ عمل کیلئے چند ممکنہ سفارشات 26

جدول واشکال

شکل نمبر ا۔ انڈس کا نقشہ 10
شکل نمبر ۲۔ انڈس کا آبپاشی نظام 12

جدول نمبر ا۔ 1991ء میں پانی کی تقسیم کے معاہدہ
جدول نمبر ۲۔ دریائی پانی کی متوازن دستیابی (بشمول سیلاب اور مستقبل کے آبی ذخائر)
جدول نمبر ۳۔ موجودہ اور مستقبل میں پانی کی طلب کا موازنہ
جدول نمبر ۴۔ پچھلے ٦ سالوں میں کوٹری سے گزرنے والے پانی کا بہاؤ
جدول نمبر ۵۔ مختص (MDG)

اختصارے اور سرنامیے

CRBC	چشمہ رائٹ بینک کینال
C-J	چشمہ جہلم
CCI	مشترکہ مفادات کی کونسل
DGKC	ڈیرہ غازی خان کینال
GDP	مجموعی قومی پیداوار
GOP	حکومت پاکستان
IRSA	انڈس ریور سسٹم اتھارٹی
KP	خیبر پختون خواہ
KM	کلومیٹر
MAF	ملین ایکڑ فٹ
NWC	نارتھ ویسٹ کنال
NWFP	شمالی مغربی سرحد صوبہ (موجودہ نام خیبر پختونخواہ)
SCARP	تھور کی روک تھام اور زمین کی بحالی کی پراجیکٹ
T.P	تونسہ پنجند
WAA	پانی کی تقسیم کا معاہدہ
WAPDA	ادارہ ترقیات بجلی و پانی
WCAP	پانی کی شعبے میں استعداد کاری اور مشاورتی سہولت کا پراجیکٹ

پیش لفظ

2010 کے موسم گرما میں آنے والے سیلاب اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی نے سوالات کو جنم دیا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان کو انتہائی خشک اور انتہائی سیلابی موسموں کے ایک چکر کا سامنا ہے۔ کچھ سال انتہائی خشک سالی کی کیفیت رہتی ہے اور پھر اچانک شدید سیلاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے دونوں صورتوں میں شدید نقصانات ہوتے ہیں۔ یہ سوال پوچھا جا رہا ہے کہ آیا کوئی طریقہ ہوسکتا ہے کہ باری باری آنے والی خشک سالی اور سیلاب یا پانی کی کمی اور اضافی پانی کی دستیابی کو کچھ اس طرح سے قابو میں لایا جائے کہ کاشکاروں کو اس کا فائدہ ہو سکے۔

جیسے جیسے توانائی کی قیمت میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے اور پاکستان کو اپنی تاریخ کی بدترین توانائی کی کمی کے بحران کا سامنا ہے تو اس بات پر زور دیا جا رہا ہے ہائیڈروالیکٹرک منصوبوں کے ذریعے سستی اور ماحولیاتی آلودگی سے پن بجلی پیدا کی جائے۔ مگر تجویز کردہ حل اختلافات سے پاک نہیں۔ آبی منصوبوں کو شروع کرنے پر صوبوں میں مختلف اور متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ چونکہ دریائے سندھ اور اس کے ذیلی دریا پاکستان کے تقریباً تمام صوبوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا ان میں پانی کے بہاؤ میں کمی کی وجہ سے ان کے وسائل کی تقسیم پر صوبوں میں اختلافات نے جنم لیا ہے۔ اگرچہ پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ صوبوں نے 1991ء میں پانی کی تقسیم کے معاہدے پر دستخط کئے تھے لیکن اس کی تشریح پر اختلافات نے صوبوں کے درمیان جھگڑوں کو ہوا دی ہے۔ اس معاہدے کے نفاذ میں حقیقی، یا تصوراتی ناکامی نے صوبوں کے درمیان اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ سندھ اور پنجاب میں 1991ء کے معاہدے کی تشریح پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ صوبہ سندھ کو خدشہ ہے کہ دریائے سندھ میں اس کے حصے میں کمی ہوگی یا اس کا پانی چوری کرلیا جائے گا۔ خیبر پختونخواہ دریائے سندھ میں سے مختص شدہ اپنے حصے کا پانی استعمال کرنے سے قاصر ہے اور اسے خدشہ ہے کہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر سے اس کی زراعت اور انفراسٹرکچر پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بلوچستان کا پانی صوبہ سندھ سے ہو کر آتا ہے بلوچستان کا الزام ہے کہ صوبہ سندھ دریائے سندھ میں سے اس کے حصے کا پانی روک لیتا ہے۔ یہ خدشہ ظاہ کیا جا رہا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا عام سالوں میں پانی کی دستیابی میں مزید کمی آئے گی اور اس کے نتیجے میں چاروں صوبوں کی زرعی معیشت پر دباؤ بڑھے گا جس سے بین الصوبائی ہم آہنگی متاثر ہوگی۔ دوسرے ممالک میں اسی طرح کے اختلافات کے تجربات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب تک آبی وسائل استعمال کرنے والوں اور ان نمائندوں کے درمیان وسیع تر ہم آہنگی اور اتفاق رائے پیدا نہ ہو تو محض پیشہ ورانہ، تکنیکی یا سیاسی حل ان مسائل کو ختم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بین الریاستی اور بین الصوبائی آبی مسائل کے حل کے لیے جامع مذاکرات بہترین طریقہ ہے کہ جس کی بنیاد ٹھوس اعداد و شمار پر ہو اور فریقین ایک دوسرے نقطہ نظر، خدشات اور شکایات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اس ضمن میں پلڈاٹ (PILDAT) نے ایک مشاورتی عمل کا آغاز کیا ہے جس میں چاروں صوبوں سے تعلق رکھنے والے مختلف طبقات کے نمائندے مثلاً آبی ماہرین، اراکین پارلیمنٹ اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے شامل ہیں اسی پس منظر میں پلڈاٹ نے پاکستان میں بین الصوبائی آبی مسائل پر دستیاب تفصیلات کو تمام شراکت داروں کے لیے جامع اور مختصر طور پر پیش کیا جاتا کہ وہ اس قابل ہوسکیں کہ ان بین

الصوبائی آبی مسائل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں اور بہتر پالیسی اقدامات کے لیے اپنی تجاویز اور آراء پیش کر سکیں۔ اس پس منظر کی دستاویز کی تیاری کا مقصد یہ بھی ہے کہ بین الصوبائی آبی مسائل کو عام فہم اور سادہ انداز میں پیش کیا جا سکے تاکہ سیاست دان، قانون ساز اور ذرائع ابلاغ کے لوگ جو کہ تکنیکی ماہرین نہیں ہیں وہ بھی اس کو حوالے کی دستاویز کے طور استعمال کر سکیں ان کی معلومات میں اضافہ ہوا اور وہ مختلف صوبوں کے ان مسائل پر نقطہ نظر کو جان سکیں۔ اہم ترین مقصد یہ ہے کہ مستقل اور نتیجہ خیز مذاکرات کے ذریعے ان مسائل کو حل کیا جائے ۔ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس دستاویز میں اپنا کوئی نقطہ نظر نہ دیا جائے اور ہر ممکن حد تک مختلف آراء اور نقطہ نظر کو صحیح طور پر اس پس منظر میں پیش کر دیا جائے۔

اظہار تشکر

پلڈاٹ خاص طور پر محترم محمد ادریس راجپوت صاحب (سابق سیکرٹری آبپاشی اور بجلی حکومت سندھ) کا شکر گزار ہے جنہوں نے یہ دستاویز تحریر کی۔ پلڈاٹ چاروں صوبوں سے ان نمایاں آبی ماہرین کا بھی مشکور ہے جنہوں نے بین الصوبائی آبی مسائل پر گفت وشنید کے لیے کئی گول میز کانفرنسز میں شرکت کی اور اس عمل کے دوران اس دستاویز پر بھی اپنی آراء دیں اور اس کو بہتر بنانے میں مدد دی (ان تمام حضرات کی فہرست علیحدہ سے لف کی گئی ہے) راجپوت صاحب نے کمال مہربانی سے تمام آراء اور تجاویز کو اس دستاویز کا حصہ بنایا۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام ماہرین جنہوں نے گول میز کانفرنسز میں شرکت کی اس دستاویز کے تمام مندرجات سے متفق ہوں مگر ان سب نے کوشش کی ہے کہ تمام بین الصوبائی آبی مسائل اور ان سے متعلقہ خیالات اور نظریات کو اس میں شامل کیا جائے۔ پلڈاٹ نے اس دستاویز کو اسطرح ایڈٹ کیا کہ اس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ تمام نکتہ نظر سامنے آسکیں۔ اس پراجیکٹ میں سپورٹ کے لیے ہم برطانوی ہائی کمیشن اسلام آباد کے بھی شکر گزار ہیں جس کا مقصد بین الصوبائی آبی مسائل کے فہم میں اضافہ ہے تاکہ یہ مذاکرات کے ذریعے حل کی طرف پہلا قدم ثابت ہو۔ یہ دستاویز اس پراجیکٹ کے آؤٹ پٹ میں سے ایک ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس دستاویز سے تمام شراکت داروں میں معنی خیز مکالمے کو آگے بڑھانے میں مدد ملے گی جس سے ان مسائل کے بارے میں فہم میں اضافہ ہوگا اور بالآخران مسائل کے حل کی طرف بڑھا جا سکے گا۔

اظہار لاتعلقی

مصنف اور تمام ماہرین جنہوں نے پلڈاٹ کی گول میز کانفرنس میں شرکت کی نے ہر ممکن کوشش کی ہے ان دستاویز کے مندرجات درست اور حقائق کے مطابق ہوں تاہم پلڈاٹ کسی نادانستہ غلطی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس پس منظر کی دستاویز کے مندرجات پلڈاٹ اور برطانوی ہائی کمیشن کے نظریات کی عکاسی نہیں کرتے۔

اسلام آباد

جنوری 2011

مصنّف کا تعارف

جناب محمد ادریس راجپوت

سابقہ سیکرٹری بجلی و آبپاشی ڈیپارٹمنٹ، حکومتِ سندھ

جناب محمد ادریس راجپوت 20 نومبر 1941ء کو پیدا ہوئے، جناب محمد ادریس راجپوت پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔ وہ 1965ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی ای (سول) کرنے کے بعد فل برائٹ ہیز کے سکالرشپ کے تحت یونیورسٹی آف منسوٹا (یو ایس اے) سے 1970-1969ء کے دوران تعلیم حاصل کی۔ پانی کا انتظام، ڈیزائن اور تعمیراتی پروجیکٹس میں ان کا 40 سال سے زیادہ عرصہ کا تجربہ ہے۔

1987ء میں وہ سندھ گورنمنٹ کے محکمہ بجلی و آبپاشی میں بطور ایڈیشنل سیکرٹری مقرر ہوئے اور 1991ء میں ترقی پا کر محکمہ کے سیکرٹری بن گئے۔ 96-1994ء تک سندھ گورنمنٹ کے محکمہ پانی و بجلی میں بطور چیف پلاننگ انجینئر بھی رہ چکے ہیں اور 1998ء میں انہوں نے دوبارہ سیکرٹری بجلی و آبپاشی کے طور پر چارج سمبھالا اور 2001ء تک سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ وہ جنوری 2004ء سے لیکر اب تک قومی ترقیاتی کنسلٹنٹ کے ساتھ بطور پروجیکٹ مینجر، سندھ میں آبپاشی کے نظام کی بحالی اور نکاسی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ پانی کے ایشوز پر انہوں نے اب تک کئی قومی اور بین الاقوامی سیمینارز اور کانفرنسز میں شرکت کی ہے۔ وہ 2008ء سے پاکستان انجینئرنگ کونسل کی گورننگ باڈی کے ممبر ہیں۔

پاکستان میں بین الصوبائی آبی مسائل پر گول میز کانفرنسز کے شرکاء کی فہرست

حروف تہجی کے اعتبار سے ان شرکاء کی فہرست جنھوں پلڈاٹ کی منعقدہ تین میں سے کم از کم ایک گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔

1۔ عبدالرازق خان کاسی، سابق چیئرمین ارسا، بلوچستان

2۔ عبدالسلام خان سابق سیکریٹری اریگیشن اینڈ پاور ڈیپارٹمنٹ، بلوچستان، ممبر بلوچستان پبلک سروس کمیشن

3۔ ابرار قاضی، سابق سیکریٹری سندھ واٹر کمیٹی، سندھ

4 ۔ امجد آغا، صدر، ایسوسی ایٹس کنسلٹنگ انجینئرز لمیٹڈ لاہور، پنجاب

5 ۔آصف ایچ قاضی، سابق چیف انجینئرنگ مشیر، چیئرمین فلڈ کمیشن اور سابق ممبر واپڈا، پنجاب

6۔ ابراہیم رند، چیف انجینئر، اریگشن اینڈ پاور ڈیپارٹمنٹ، بلوچستان

7۔ اقبال سیگول، صنعت کار، پنجاب

8۔ خالد محتد اللہ، سابق ممبر واٹر، واپڈا، سینئر مشیر، ڈائریکٹر انٹرنیشنل واٹر مینجمنٹ انسی ٹیوٹ، خیبر پختونخواہ

9۔ چوہدری مظہر علی، سابق مشیر اریگیشن اینڈ پاور دیپارٹمنٹ، پنجاب

10۔ محمد امین، سابق ممبر ارسا، بلوچستان

11۔ محمد ادریس راجپوت، سابق سیکریٹری اریگیشن اینڈ پاور ڈیپارٹمنٹ، سندھ

12۔ محمد نصیر احمد گیلانی، چیف واٹر ریسورسز، پلاننگ کمیشن، حکومت پاکستان، اسلام آباد

13۔ نصیر میمن، چیف ایگزیکٹو، سٹرینتھنگ پارٹیسپیٹری آرگنائزیشن، سندھ

14 ۔ رابعہ سلطان، ترجمان، پنجاب واٹر کونسل، پنجاب

15۔ رقیب خان، ممبر ارسا، خیبر پختونخواہ

16۔ راو ارشاد علی خان، چیئرمین ارسا، حکومت پاکستان، پنجاب

17۔ سردار محمد طارق، سابق ممبر واٹر، واپڈا ریجنل چیئر گلوبل واٹر پاٹنرشپ، جنوبی ایشیاء، خیبر پختونخواہ

18۔ شمس الملک، سابق وزیر اعلیٰ خیبر پختونخواہ، سابق چیئرمین واپڈا، خیبر پختونخواہ

19۔ ڈاکٹر ضیغم حبیب، سینئر مشیر لائیولی ہڈ، نیشنل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی، حکومت پاکستان، اسلام آباد

پاکستان میں بین الصوبائی آبی مسائل

پاکستان میں آبی مسائل کا ایک جائزہ

پاکستان کی معیشت زیادہ تر زراعت پر انحصار کرتی ہے۔ زراعت پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار کا 24 فیصد ہے اور اس سے 48.4 فیصد افرادی قوت وابستہ ہے۔ پاکستان کی آبادی کا 70 فیصد حصہ دیہاتوں میں رہائش پذیر ہے اور براہِ راست یا بالواسطہ طور پر زراعت پر انحصار کرتا ہے۔ ملکی برآمدات کا 70 فیصد زراعت سے حاصل ہونے والی اشیاء پر مشتمل ہے۔ نہری زراعت سے ملک کی 90 فیصد خوراک اور ریشے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ 42.5 ملین ایکڑ میں نہری زراعت ہوتی ہے جبکہ بارانی علاقوں میں 10 ملین ایکٹرز مین پر کاشت کی جاتی ہے۔

زراعت کے لئے پانی اہم ترین ضرورت ہے جو تین ذرائع سے دستیاب ہے؛ دریا، بارشیں اور زیر زمین۔ دریائی پانی کا اہم ترین ذریعہ دریائے سندھ ہے جس میں دریائے کابل، جہلم، چناب، راوی، ستلج اور بیاس کا پانی بھی آکر شامل ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے مندرجہ بالا تمام دریاؤں کے منبع پاکستان سے باہر ہیں۔ ان دریاؤں سے 23-1922 سے کر 2001-2000 کے درمیان اوسطاً 144 ملین ایکٹرفٹ پانی دستیاب رہا ہے۔ ان میں سے مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم، چناب) سے 139 ملین ایکٹرفٹ اور مشرقی دریاؤں (ستلج، راوی، بیاس) سے 5 ملین ایکٹرفٹ پانی دستیاب رہا ہے۔ مغربی دریاؤں میں پانی کے بہاؤ میں بہت زیادہ تنوع ہے۔ ان دریاؤں میں پانی کا بہاؤ زیادہ سے زیادہ 186 ایم اے ایف اور کم سے کم 97 ایم اے ایف رہا ہے۔

پاکستان میں پانی کا دوسرا اہم ترین ذریعہ بارشیں ہیں۔ 1960 سے 2000 کے درمیان بارش کی سالانہ اوسط تقریباً 290.7 ملی میٹر ہے۔ اس میں کچھ پانی تو کھیتوں اور دریاؤں میں چلا جاتا ہے تاہم پہاڑی ندی نالوں پر ڈیم بنا کر 17 ملین ایکٹرفٹ پانی کو محفوظ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

زراعت کے لئے زیر زمین پانی تیسرا اہم ذریعہ ہے۔ اس میں بھی 56 ملین ایکٹرفٹ پانی استعمال کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ تقریباً 45 ملین ایکٹرفٹ پانی سرکاری اور ذاتی ٹیوب ویلوں کے ذریعے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ کچھ علاقوں میں اس کا استعمال مناسب حد سے زیادہ ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے میں زیر زمین پانی کے معیار میں کمی آ رہی ہے۔

جہاں زیر کاشت رقبے میں اضافے، شہری علاقوں کے پھیلاؤ اور صنعتوں کی وجہ سے پانی کے استعمال پر دباؤ بڑھا ہے وہیں پانی کے ذخائر میں گاد کا جمع ہونا، زمینی پانی کا بے محابا استعمال، ماحولیاتی تبدیلیاں، بارشوں کے نظام میں تبدیلیاں اور گلیشیئرز کا پگھلنا اور بھارت کا مغربی دریاؤں کے پانی کو استعمال کرنے سے ملک میں پانی کی دستیابی میں بھی کمی ہو رہی ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پانی کے وسائل میں اضافہ کیا جائے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے محفوظ کیا جائے۔

جہاں زیر کاشت رقبے میں اضافے، شہری علاقوں کے پھیلاؤ اور صنعتوں کی وجہ سے پانی کے استعمال پر دباؤ بڑھا ہے وہیں پانی کے ذخائر میں گاد کا جمع ہو نا، زمینی پانی کا بے محابا استعمال، ماحولیاتی تبدیلیاں، بارشوں کے نظام میں تبدیلیاں اور گلیشیئرز کا پگھلنا اور بھارت کا مغربی دریاؤں کے پانی کو استعمال کرنے سے ملک میں پانی کی دستیابی میں بھی کمی ہو رہی ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پانی کے وسائل میں اضافہ کیا جائے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے محفوظ کیا جائے۔

پاکستان میں پانی کی موجودہ اور مستقبل میں ممکنہ دستیابی اور ضرورت

2002ء میں وزارت بجلی و پانی نے سٹڈی کرائی جس کا عنوان تھا "پاکستان میں پانی کے قومی وسائل کی حکمت عملی" اس کے مطابق کاشت کے لیے 109.3 ملین ایکٹرفٹ پانی دستیاب ہے جس میں 62.3 ایم اے ایف سطح سے، 42 ایم اے ایف زیر زمین اور 5 ایم اے ایف بارشوں سے حاصل ہوتا ہے۔

Figure 1: The Indus Map

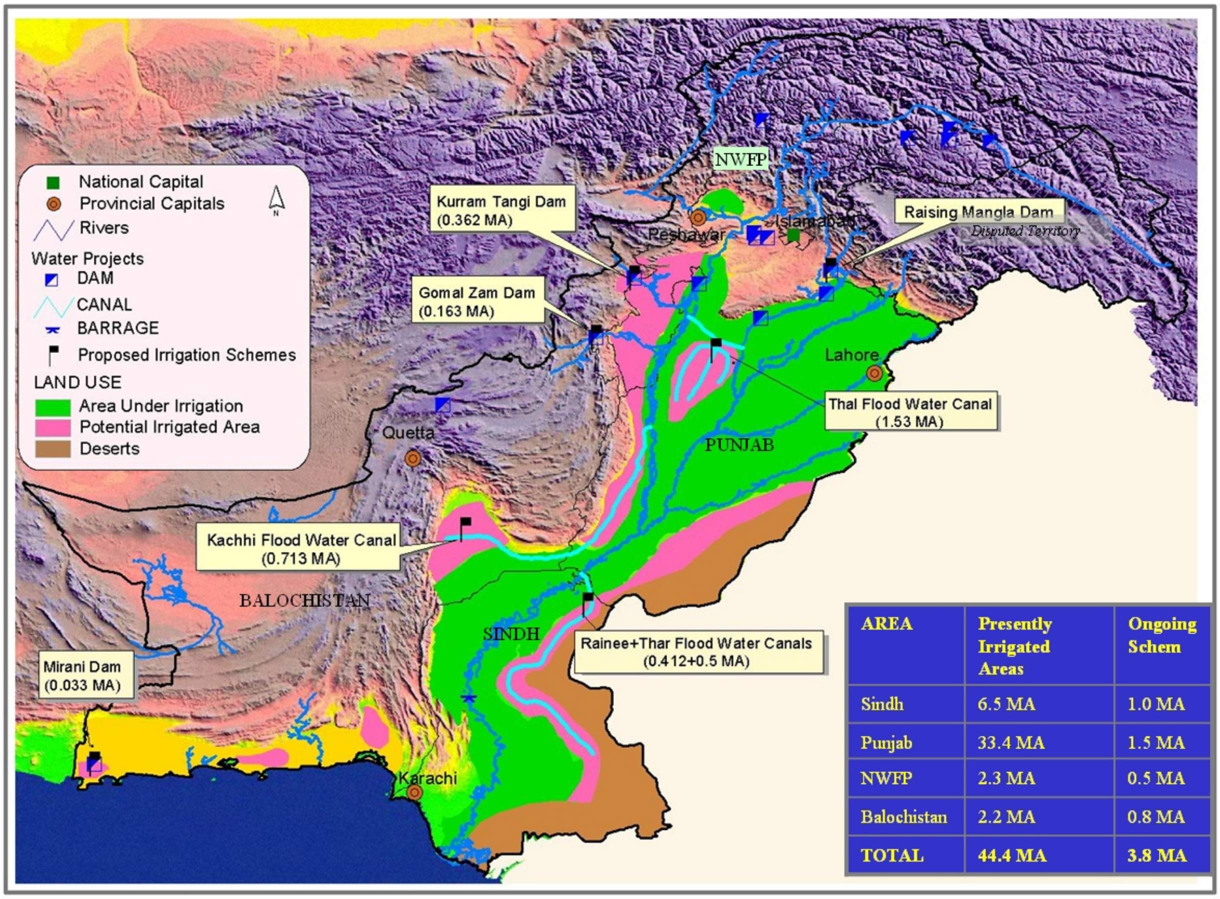

AREA	Presently Irrigated Areas	Ongoing Schem
Sindh	6.5 MA	1.0 MA
Punjab	33.4 MA	1.5 MA
NWFP	2.3 MA	0.5 MA
Balochistan	2.2 MA	0.8 MA
TOTAL	44.4 MA	3.8 MA

اس سٹڈی میں یہ بھی حساب لگایا گیا کہ 2025 تک اس کو 139 ملین ایکڑ فٹ تک بڑھانے کی گنجائش موجود ہے جس میں 75.3 ایم اے ایف تک سطح سے حاصل ہوسکتا ہے 55.7 ایم اے ایف زیر زمین اور 8 ایم اے ایف بارشوں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ تاہم اس سٹڈی میں یہ بھی تخمینہ لگایا گیا ہے تب تک کاشت کے لئے میں پانی کی ضرورت 145 ملین ایکڑ فٹ ہوچکی ہوگی۔ جب کہ موجودہ دستیاب گنجائش کے مطابق دریاؤں میں سے 13 ایم اے ایف، زیر زمین 13.7 ایم اے ایف اور بارشوں سے 3 ایم اے ایف مزید پانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی رپورٹ میں ذخیرہ کرنے کے لئے جو اوسطاً دستیابی کا اندازہ لگایا گیا ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے۔

i۔ کوٹری سے نیچے پانی کا سالانہ اوسطاً بہاؤ 35 سے 38 ایم اے ایف

ii۔ کوٹری سے نیچے پانی کی ضرورت 10 ایم اے ایف

iii۔ مشرقی اور مغربی دریاؤں میں استعمال 3 سے 5 ایم اے ایف

بقایا: 20 سے 25 ایم اے ایف (نہروں کے سروں پر

کھیتوں میں پانی کی دستیابی 13 سے 15MAF

لہذا ذخیرہ کرنے کے لیے اضافی دستیاب پانی 20-25 ایم اے ایف

2003 ء میں صدرِ پاکستان کی جانب سے جناب اے این جی عباسی کی سربراہی میں قائم کردہ تکنیکی کمیٹی نے اس اسٹڈی پر تفصیلی بحث کی۔ کمیٹی 8 ممبران پر مشتمل تھی جس میں صوبے سے دو دو رکن لیے گئے تھے اور ایک چیئر مین تھا۔ اس کمیٹی میں ذخیرہ کرنے کے لیے اضافی دستیاب پانی کی مقدار پر کوئی اتفاق رائے پیدا نہ ہوسکا۔

واپڈا کے اضافی پانی کی مقدار 3.95 ایم اے ایف بتائی، 7 اراکین کے اعداد و شمار کے مطابق اضافی پانی کی مقدار 32.72 ایم اے ایف، ایک رکن کے مطابق منفی 11.60 ایم اے ایف جب کہ کمیٹی کے چیئر مین کے مطابق منفی 0.25 ایم اے ایف تھی۔ (تکنیکی کمیٹی برائے پانی کے وسائل کی رپورٹ بمعہ چیئر مین کے کمنٹس حصہ دوم صفحہ 31)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذخیرے کے لئے دستیاب اضافی پانی کی مقدار کے بارے میں ماہرین کی آراء میں نمایاں فرق اور تضاد پایا جاتا ہے۔

بین الصوبائی آبی اختلافات کو حل کرنے کی اہمیت

وفاق کے مختلف حصوں کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی قومی تحفظ کے لئے از حد ضروری ہے۔ کسی بھی قسم کا اختلاف اور جھگڑا پاکستان کی بقاء کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ تاہم پانی پر بین الصوبائی اختلاف اکثر سر اٹھاتے ہیں۔ 2010ء میں سندھ اور پنجاب دو بار ٹکراؤ کی راہ پر گامزن ہوئے اور معاملہ حل کے لئے وزیر اعظم تک لے جانا پڑا۔

ان اختلافات کی وجہ پانی کے کمی کے دنوں میں دونوں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر اختلافات تھے۔ اگرچہ وقتی طور پر مسئلہ حل کر دیا گیا لیکن یہ دوبارہ بھی سر اٹھا سکتا ہے۔ لہذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ بین الصوبائی اختلافات کو حل کیا جائے۔
صوبائی اختلافات اور جھگڑوں کی وجہ سے دریائی پانی کے ذخیروں کے ترقیاتی منصوبوں اور پن بجلی کے منصوبوں کے نفاذ میں بھی تاخیر ہو رہی ہے۔

آبی وسائل کے تاریخی تقسیم۔

دریائے سندھ کے نظام کا پانی پچھلی کئی صدیوں سے آبپاشی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ابتدائی طور پر نہری نظام کام کر رہا تھا جس میں براہ راست دریاؤں سے کسی کنٹرول کے بغیر پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ لہذا ان نہروں میں جانے والے پانی کا انحصار دریا میں پانی کی مقدار پر ہوتا تھا۔ ان نہروں کو سیلابی نہریں یا گھی کہا جاتا تھا چونکہ دریاؤں میں پانی کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی لہذا ان نہروں میں جانے والے پانی کی مقدار بھی غیر یقینی اور کمی بیشی کا شکار رہتی تھی۔

انیسویں صدی کے وسط میں ان سیلابی نہروں میں پانی کی متغیر مقدار کو کنٹرول رکھنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے دریاؤں پر ہیڈ ورکس تعمیر کیے گیے جن سے مستقل بنیادوں پر پانی فراہمی کو یقینی بنانے میں مدد ملی۔ ابتدا میں اس قسم کے پانی کے راستے کو تبدیل کرنے کے لیے ہیڈ ورکس ذیلی دریاؤں پر تعمیر کیے گئے کیوں کہ ان پر تعمیر نسبتاً آسان تھی۔ پنجاب میں دریائے راوی پر پہلا ہیڈ ورکس تعمیر کیا گیا اور اس کا آغاز 1859ء میں ہوا۔ اس کے نتیجے میں اپر باری دوآب نہر میں پانی کی فراہمی یقینی ہوگئی۔ اس کے بعد 1882ء سے 1901ء کے درمیان دوسرے ذیلی دریاؤں پر کئی ہیڈ ورکس تعمیر کیے گئے۔

1935ء تک دریائے سندھ پر سکھر بیراج اور ستلج ویلی پراجیکٹ جیسے دو بڑے منصوبے مکمل ہو کر کام شروع کر چکے تھے۔ تاہم بیکانیر اور بھاولپور کی سابق ریاستوں اور پنجاب کے درمیان پانی کی تقسیم میں بعض دشواریاں سامنے آئیں اس موقع پر ریاست خیرپور نے بھی ربیع کے موسم میں اضافی وسائل کا مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ پنجاب بھی حویلی پراجیکٹ کے بعض اضافی آبی وسائل کا مطالبہ کیا۔ ان مسائل کے حل کے لیے حکومت ہند نے ایک کمیشن تعینات کیا جسے اینڈرسن کمیشن کے نام سے جانا گیا۔

Figures in 000 Cusecs

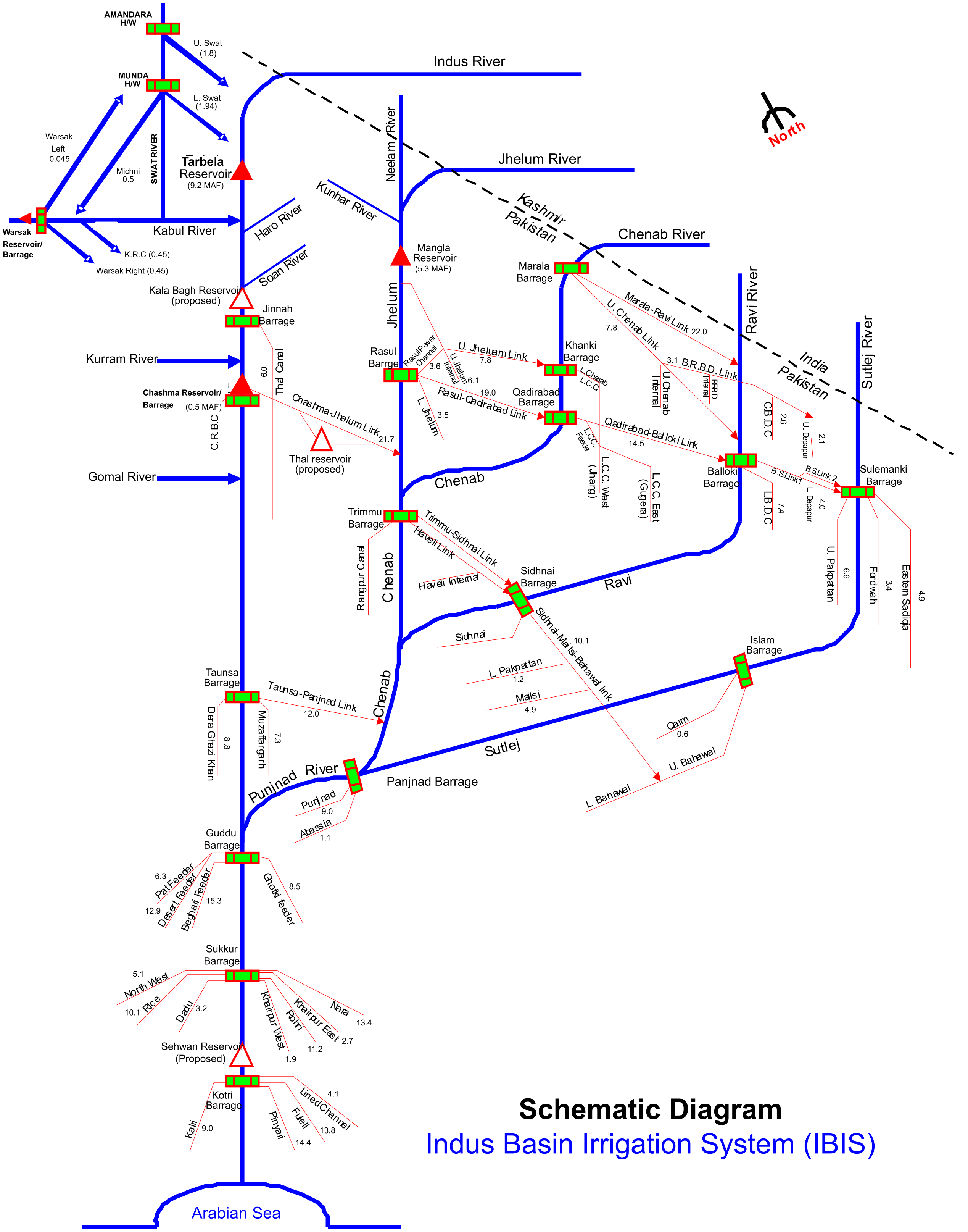

Schematic Diagram
Indus Basin Irrigation System (IBIS)

1937ء میں اینڈرسن کمیشن نے اپنی متفقہ رپورٹ پیش کی ۔ بعد ازاں ایک اور کمیشن بھی مقرر کیا گیا جس کے نتیجے میں 1945ء میں صوبہ سندھ اور پنجاب کے چیف انجینئرز نے سندھ پنجاب معاہدے پر دستخط کیے۔ تاہم حکومت پنجاب نے اس کی توثیق نہیں کی کیونکہ اس میں مالی مسائل کو طے نہیں کیا گیا تھا۔ 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور 1948ء میں بھارت نے پاکستان کی نہروں کو مادھوپور اور فیروزپور ہیڈ ورکس سے جو کہ بھارت میں واقع تھے، پانی کی فراہمی روک دی۔ تفصیلی گفت وشنید کے بعد اور ورلڈ بینک کی مدد سے 1960ء میں ہندوستان، پاکستان اور ورلڈ بینک نے سندھ طاس معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے تین مشرقی دریاؤں ستلج بیاس اور راوی کے مکمل استعمال کا حق بھارت کو دیا گیا۔ 1968ء میں حکومت مغربی پاکستان نے واٹر ایلوکیشن اینڈ ریٹس کمیٹی تشکیل دی جسے اختر حسین کمیٹی بھی کہا گیا۔ 1970ء میں ون یونٹ کی تحلیل کے بعد ان صوبوں میں جو کہ مغربی پاکستان کا حصہ تھے، آبی وسائل کی تقسیم کے مسائل ایک بار پھر ابھر کر سامنے آئے اور حکومت پاکستان نے اکتوبر 1970ء میں جسٹس فضل اکبر کمیٹی کو مقرر کیا مگر یہ کوئی متفقہ رپورٹ نہ پیش کر سکی۔ 1977 میں ایک عدالتی کمیشن مقرر کیا گیا جسے بعد میں پاکستان کے چیف جسٹس عبدالحلیم کے نام پر حلیم کمیشن بھی کیا گیا۔ یہ کمیشن بھی کوئی متفقہ رپورٹ دینے میں ناکام رہا۔ اس دوران 1990 تک ایک ایڈھاک شراکتی نظام کے تحت کام چلایا جاتا رہا۔

مغربی پاکستان کے آبی وسائل پر برصغیر پاک وہند کی تقسیم کے اثرات۔

تقسیم کے وقت سندھ طاس کا علاقہ کئی صوبوں اور ریاستوں اور رجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس میں بلوچستان کے کچھ حصے، قبل از تقسیم کے وقت کے سندھ، پنجاب شمالی مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختون خواہ) اور بہاولپور، جموں کشمیر اور خیر پور کی ریاستوں اور سابقہ صوبہ پنجاب کے شمالی مشرقی پہاڑی علاقے شامل تھے۔ چین اور افغانستان کے کچھ حصے بھی انڈس بیسن میں شامل تھے۔

آبپاشی کے نظام کی طرح ہندوستان اور پاکستان کی نوزائیدہ ریاست میں سمندری راستے ریلوے، سڑکیں اور دوسرے نظام آپس میں اس حد تک مربوط اور جڑے ہوئے تھے کہ ہندوستان کی نوآبادیاتی حکومت نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ ایک تقسیم کمیٹی اور ایک ثالثی ٹریبونل قائم کیا جائے تاکہ علاقوں کی تقسیم سے پیدا ہونے والے تمام تر جھگڑوں کا تصفیہ ہو جائے گا۔

جب انگریزوں نے برصغیر سے روانگی اختیار کی تو پنجاب میں تقسیم کی لکیر پنجاب کے انتہائی ترقی یافتہ آبپاشی نظام کے ساتھ ساتھ لگائی گئی۔ سر سرل ریڈکلف جنہیں بعد میں لارڈ کا خطاب دیا گیا۔ اس باؤنڈری کمیشن کے لارڈ کا خطاب دیا گیا، اس باؤنڈری کمیشن کے چیئرمین تھے۔ انہوں نے اپنے فیصلے میں لکھا ''میرا خیال ہے کہ میں یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہوں کہ جس حکومت کے پاس بھی ان متعلقہ ہیڈ ورکس پر اختیار ہو گا وہ نہروں کے پانی کی شراکت کے معاہدوں کا احترام کرے گی۔

1 اپریل 1948ء کو ٹریبونل کی مدت ختم ہونے کے ایک دن بعد ہندوستان کی نئی آزاد حکومت نے پاکستان آنے والی ہر نہر کا پانی بند کر دیا۔ بعد ازاں زیادہ تر نہروں میں پانی کے بہاؤ کو بحال کر دیا گیا تاہم 4 مئی 1948 میں مشترکہ بیان پر دستخطوں کے بعد بھی تمام نہروں کا پانی بحال نہ ہوا۔

دونوں ممالک کے نمائندوں کے درمیان طویل ملاقاتیں اور بحث ومباحثوں کے باوجود یہ مسئلہ حل نہ کیا جا سکا۔ بالآخر عالمی بینک کی کوششوں کی وجہ سے 19 ستمبر 1960ء میں سندھ طاس معاہدوں پر دستخطوں کے ذریعے یہ مسئلہ طے پا گیا۔ اس معاہدے کے تحت بھارت کو 3 مشرقی دریا مکمل طور پر دے دیئے گئے جن میں پانی کا سالانہ اوسطاً بہاؤ 33 ایم اے ایف تھا۔ جب کہ جو مغربی دریا پاکستان کو دیئے گئے ان پر بھی بھارت کو کچھ حقوق حاصل تھے۔

بھارت اور پاکستان کے درمیان 1960ء کا سندھ طاس معاہدہ اوراس کے اثرات۔

ا۔تین مشرقی دریاؤں، ستلج، بیاس اورراوی میں پانی مکمل طور پر بھارت کے بلا روک ٹوک استعمال کے لیے دستیاب ہوگا۔

۲۔ تین مغربی دریاؤں چناب، جہلم اورسندھ کا پانی پاکستان کے بلا روک ٹوک استعمال کے لیے دستیاب ہوگا تاہم بھارت ان دریاؤں کے ساتھ ساتھ علاقوں میں کچھ مخصوص حصہ استعمال کرسکتا ہے

۳۔ دس سال کی ایک درمیانی مدت مقرر کی گئی جس کا اختتام 31 مارچ 1970ء میں ہوگا اس دوران پاکستان مشرقی دریاؤں سے پانی کی مخصوص مقدار کا استعمال کرے گا جو بھارت چھوڑے گا۔ اس درمیانی مدت کے خاتمے کے بعد پاکستان ان تین مشرقی دریاؤں کے پانی کے اخراج کے لیے بھارت سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکے گا۔اس درمیانی مدت میں زیادہ سے زیادہ تین سال کی توسیع ہوسکتی ہے جوکہ جرمانے کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔

۴۔ پاکستان مغربی دریاؤں اور دوسرے وسائل پر متبادل ہیڈورکس تعمیر کرے گا تاکہ ان نہروں کو پانی کی فراہمی ہو سکے جو کہ 15 اگست 1947ء تک مشرقی دریاؤں سے پانی لے رہی تھیں۔

۵۔ ان متبادل ہیڈورکس کی تعمیر کے لیے بھارت پاکستان کو 62 ملین پونڈ اسٹرلنگ کی طے شدہ رقم ادا کرے گا۔

۶۔ سندھ طاس کے دریاؤں میں پانی کے بہاؤ اوراستعمال وغیرہ کے بارے میں بھارت اور پاکستان معلومات کا تبادلہ کریں گے۔

۷۔ بھارت اور پاکستان انڈس واٹر کمشنر کے مستقل عہدے کا قیام عمل میں لائیں گے اوراس عہدے پر ایسے شخص کو تعینات کیا جائے گا جوکہ اعلیٰ عہدے دار انجینئر ہوگا اور ہائیڈرالوجی کے شعبہ میں مہارت رکھتا ہوگا۔ دونوں کمشنر اس معاہدے پر عمل درآمد سے متعلق معاملات پر اپنی حکومتوں کی نمائندگی کریں گے دونوں کمشنر مستقل انڈس واٹر کمیشن قائم کریں گے۔

۸۔ اختلافات اور جھگڑوں کا تصفیہ دونوں کمشنر باہمی رضا مندی سے کریں گے یا پھر غیر جانبدار ماہر کرے گا یا پھر کسی بھی ایسے طریقے سے کیا جائے گا جس پر دونوں کمشنر متفق ہوں گے۔

پانی کی تقسیم کا معاہدہ 1991

1991 میں اس وقت کے وزیراعظم محترم نواز شریف کی کوششوں کی وجہ سے چاروں صوبوں نے 16 مارچ 1991 کو پانی کی تقسیم کے متفقہ معاہدے پر دستخط کئے۔ 21 مارچ کو مشترکہ مفادات کی کونسل نے اس کی تصدیق کردی۔اس کے بعد 16 ستمبر 1991 کو مشترکہ مفادات کی کونسل 10 روزانہ تخصیص کو اس معاہدے کا حصہ بنادیا۔ یہ معاہدہ ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے جن میں سے 3 صفحات پر معاہدے کی مختلف شقیں اور 5 صفحات پر 10 روزانہ کے حصوں کی جدولیں دی گئی ہیں۔ جن میں سے دوصفحات ہرصوبے کے لئے ہیں۔ اس معاہدے کی اہم شقیں 2, 4, 6, 7, 13, 14(a) اور 14(b) ہیں۔ان شقوں کومندرجہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

شق نمبر 2

پانی کی تقسیم کے متفقہ اصولوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل حصوں پر اتفاق کیا گیا۔

اعداد ملین ایکٹر فٹ میں دیئے گئے ہیں۔

صوبہ	خریف	ربیع	ٹوٹل
پنجاب	37.07	18.97	55.94
سندھ*	33.94	14.82	48.76
خیبر پختون خواہ (a)	3.48	2.30	5.78
(b) سول کنال**	1.80	1.20	3.00
بلوچستان	2.85	1.02	3.87
	77.34	37.0	114.35
	1.80	1.20	3.00

* کراچی میٹروپولیٹن پہلے سے طے شدہ شہری اور صنعتی علاقے بھی شامل ہیں۔

** رم سٹیشن سے اوپر کی نہریں جن میں پانی کا تخمینہ یا حساب نہیں لگایا جاتا۔

شق نمبر 4

دریاؤں سے بقایا دستیاب پانی (جس میں سیلابوں کے ذریعے آنے والا پانی اور مستقبل کی کمی شامل ہیں) مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔

پنجاب	سندھ	بلوچستان	خیبر پختون خواہ	کل
37%	37%	12%	14%	100%

شق نمبر 6

شرکاء نے اس ضرورت کی نشاندہی کی اور تسلیم کیا کہ دریائے سندھ اور دوسرے دریاؤں پر جہاں بھی ممکن ہو پانی کو ذخیرہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مستقبل میں زرعی ترقی کی منصوبہ بندی کی جاسکے۔

شق نمبر 7

اس امر کو تسلیم کیا گیا کہ کوٹری بیراج سے نیچے سمندر میں ایک مخصوص کم از کم بہاؤ کی ضرورت ہے تاکہ سمندری پانی کے پھیلاؤ کو روکا جا سکے اس کی زیادہ زیادہ مقدار 10 ایم اے ایف رکھی گئی اور اس پر تفصیلی بحث ہوئی۔ بعض دوسری سٹڈیز یہ مقدار اس سے زیادہ اور کم تھی۔ لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ کوٹری سے نیچے پانی کے کم از کم مطلوبہ بہاؤ کی مقدار کا تعین کرنے کے لئے مزید سٹڈیز کروائی جائیں گی۔

شق نمبر 13

اس امر کی نشاندہی کی گئی اور تسلیم کیا گیا کہ اس معاہدے پر عمل درآمد کے لئے انڈس ریور سسٹم اتھارٹی کا قیام ضروری ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر لاہور میں ہوگا اور اس میں تمام صوبوں کی نمائندگی ہوگی۔

شق نمبر 14

سسٹم سے حصوں کا تعین علیحدہ سے 10 روزانہ کے حصوں کی بنیاد پر کیا جائے گا اور اُسے اس معاہدے کے لازمی حصہ کے طور پر اس کے ساتھ منسلک کیا جائے گا۔

شق 14 (ب)

1977 سے 1982 کے دوران سسٹم سے اوسطا استعمال کا ریکارڈ، مستقبل میں پانی کے کنٹرول اور تقسیم کے لئے حکمت عملی مرتب کرنے کے لئے رہنمائی فراہم کرے گا۔ یہ دس روزانہ کے استعمال کا تعین دستیاب وسائل کی بنیاد پر کیا جائے گا تاکہ وہ مختلف نہری نظاموں کے طے شدہ حصوں سے مطابقت رکھیں اور یہی آئندہ پاکستان میں پانی کی کمی یا فالتو پانی میں شراکت کی بنیاد ہوگی۔

(د) صوبوں کو یہ آزادی ہوگی کہ وہ اپنے حصے کے اندر اندر مختلف نظاموں میں پانی کی تقسیم یا پھر مختلف موسموں یا سال کے حصوں میں پانی کے استعمال میں تبدیلی کر سکیں۔

(ج) تمام تر کوششیں کی جائیں کی پانی کے ضیاع کو روکا جا سکے۔ کوئی بھی فالتو پانی دوسرا صوبہ استعمال کر سکے گا مگر اس کی بنیاد پر اس کے استعمال کے حق کا دعویٰ نہیں کیا جا سکے گا۔

انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا)

WAA 1991 کی شق نمبر 13 کے مطابق ، پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے 10 دسمبر 1992 کے ذریعے انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (IRSA) ارسا کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے معاہدے کے مطابق دریائے سندھ کے آبی وسائل کی تقسیم کا بندوبست اور نگرانی کی جاسکے۔

اتھارٹی 5 اراکین پر مشتمل ہے۔ ہر صوبہ اور وفاقی حکومت آب پاشی یا متعلقہ شعبوں سے تعلق رکھنے والے ایک ایک اعلیٰ عہدے دار انجنیئر کو نامزد کرتے ہیں۔ انہی پانچ اراکین میں سے ایک چیئرمین ہوتا ہے جس کا انتخاب حروف تہجی کی بنیاد پر ایک سال کے لئے باری باری ہوتا ہے۔ اس عہدے کی مدت تین سال ہوتی ہے۔ چیئرمین واپڈا اور حکومت پاکستان کا چیف انجنیئر نگ مشیر یا ان کے نامزد کردہ لوگ بھی اتھارٹی کے ایکس آفیشل رکن ہوتے ہیں جنہیں ووٹ کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ پانی کی تقسیم کے معاہدے کے نفاذ سے متعلق کسی بھی سوال کا فیصلہ اتھارٹی اکثریتی ووٹوں کے ذریعے کرتی ہے اور اگر ووٹ برابر ہو جائیں تو چیئرمین کا ووٹ حتمی ہوتا ہے۔

اگر صوبوں یا واپڈا کو اتھارٹی کے فیصلوں سے اختلاف ہو تو وہ مشترکہ مفادات کی کونسل سے رجوع کر سکتے ہیں۔

نئے آبی ذخائر کا قیام اور صوبوں کے تحفظات

پاکستان میں تین آبی ذخائر تربیلہ، منگلا اور چشمہ تعمیر کئے گئے ہیں جن میں پانی ذخیرہ کرنے کی کل گنجائش 15.73 ایم اے ایف تھی۔ گادھرنے کی وجہ سے ان کی گنجائش کم ہو کر 2010 میں 11.47 ایم اے ایف رہ گئی ہے اور تخمینوں کے مطابق 2020 تک یہ مزید کم ہو کر 10:70 ایم اے ایف رہ جائے گی (ضمیمہ F تکنیکی کمیٹی برائے قومی آبی وسائل پروگرام واپڈا، دسمبر 1994)

آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور گاد کی وجہ سے پانی کی ذخیرہ اندوزی کی کم ہوتی گنجائش کو پورا کرنے کے لئے ذخائر کی تعمیر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

دیامر بھاشا ڈیم جس کا اعلان 17 جنوری 2006 میں کیا گیا تھا پر کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور ابھی تک تعمیر کا آغاز نہیں ہوا ہے۔

پنجاب کا خیال ہے کہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر شروع کی جانی چاہیے جبکہ باقی تین صوبے اس کی تعمیر کے حق میں نہیں ہیں۔ سندھ کو اس سے نکلنے والی دو نہروں پر اعتراضات ہیں۔ خیبر پختون خواہ کو نوشہرہ شہر اور اس کے نکاسی کے نظام پر ہونے والے اثرات کی وجہ سے اعتراضات ہیں۔

پانی کے معاہدے کی مختلف تشریحات

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ پانی کی تقسیم کا معاہدہ ایک تین صفحات پر مشتمل دستاویزات ہے جس میں 8 صفحات میں دس دن کے حساب سے صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کی جدولیں ہیں۔ سندھ کے مطابق تقسیم صوبوں کو دیئے گئے حصوں کے حساب سے دس روز کی بنیاد پر ہونی چاہیے جبکہ کمی کی صورت میں سب کو اسی مناسبت سے کم حصہ ملنا چاہیے۔ تاہم صوبہ پنجاب اس پر اس بنیاد پر اعتراض کرتا ہے کہ اس معاہدے کی تمام شقوں کو ایک دوسرے سے ملا کر بڑھا جانا چاہیے اور اسی بنیاد پر اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے اور ایک یا چند شقوں کو علیحدہ سے پڑھنا یا ان پر عمل درآمد نہیں ہونا چاہیے۔ پنجاب یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ پانی کے معاہدے پر دستخطوں کے وقت یہ زبانی طور پر تسلیم کیا گیا تھا کہ اس معاہدے پر عمل درآمد تبھی ہوگا اگر کالا باغ ڈیم تعمیر کیا گیا۔ چونکہ کالا باغ تعمیر نہیں کیا گیا لہذا ان حصوں کے مطابق جن کا تعین اس معاہدے میں کیا گیا ہے پانی کی تقسیم ممکن نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس معاہدے سے قبل وہ دریاؤں سے جتنا پانی حاصل کرتے تھے وہ ان وقفوں میں کم ہو جاتا تھا جب دریاؤں میں پانی کم دستیاب ہوتا تھا ۔

لہذا جب تک ذخائر تعمیر نہیں کئے جاتے اس معاہدے کی بنیاد پر تقسیم اور اشتراک ممکن نہیں۔ 1996 میں ایک وزارتی میٹنگ کے دوران جس کی صدارت اس وقت کے بجلی و پانی کے وزیر غلام مصطفیٰ کھر نے کی یہ فیصلہ کیا گیا کہ سندھ کے پانی کی تقسیم تاریخی بنیادوں پر کی جائے یعنی کہ تربیلا کے بعد کے دور 1976 سے 1981 کے درمیان پانی کے اوسط استعمال کی بنیاد پر۔ اس فیصلے کو حکومت پاکستان کے لاء ڈویژن کے پاس بھیجا گیا جس نے اس وزارتی میٹنگ کے فیصلے کو معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا۔ 16 اکتوبر 2000ء کو دی گئی وزارتِ قانون کی رائے کے مطابق ''معاہدے کی شق 14 کی سادہ تشریح کے مطابق دس روزہ استعمال اب معاہدے کا لازمی حصہ ہیں اور ان کا تعین دستیاب پانی کی مقدار کے بنیاد پر کیا جائے گا تا کہ پانی کی کمی میں شراکت داری ہوسکے کوئی بھی تشریح جس کی بنیاد پر کمی میں شراکت داری استعمال کی تاریخی بنیاد پر کی جائے اس متفقہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی۔

اس کے علاوہ معاہدے کی شق نمبر 13 کے مطابق ارسا معاہدے پر عمل آر آمد کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر کسی بھی اختلاف کی صورت میں آئین کے مطابق مشترکہ مفادات کی کونسل سے رجوع کیا جانا چاہیے تھا۔ لہذا کسی بھی ادارے یا کمیٹی کا قیام تا کہ کوئی فیصلہ لیا جاسکے یا ایسی رپورٹ کی تشریح کیا جائے، اس معاہدے کو مسخ کرنے اور آئین کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ تاہم چونکہ اس فریق نے جسے اس فیصلے سے اختلاف تھا، مشترکہ مفادات کی کونسل سے کونسل سے رجوع نہیں کیا لہذا ارسا کے فیصلے کے مطابق موجودہ انتظامات نئی مشترکہ مفادات کی کونسل کے قیام اور اس کے فیصلے تک جاری رہ سکتے ہیں۔

25 اپریل 2002ء کو لاء ڈویژن کی رائے مندرجہ ذیل ہے۔

اس ڈویژن کی رائے جو کہ 16 اکتوبر 2000ء میں دی گئی اور 25 اکتوبر 2000ء کو جاری کردہ چیف ایگزیکٹو سیکریٹریٹ کا حکم وزیر قانون کے سامنے پیش کیا گیا۔ جنہوں نے اس تجویز کی منظوری دی کہ 16 اکتوبر 2000 کو دئے گئے مشورے کے پیراگراف نمبر 2 واپس لیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ڈویژن نے 16 فروری 2001ء کو ایک نظرثانی شدہ نوٹ جاری کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''زیرغور حکم نامے کی رو سے جس کا تعلق دریائے سندھ کے نظام کے پانی کی تقسیم سے ہے۔ 1997 کا وزارتی فیصلہ منسوخ کیا جاتا ہے اور 1991 کے معاہدے کو نافذ کیا جائے اس ڈویژن کی جانب سے 16 اکتوبر 2000 کو دی گئی رائے پر نظرثانی کی جاتی ہے اور اس کا پیراگراف 2 واپس لیا جاتا ہے۔

سندھ کی لگاتار شکایات کی وجہ سے 2003 میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانی تین مراحل کے فارمولے کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے یہ تین مراحل درج ذیل ہیں۔

i. 105 ایم اے ایف تک
ii. 105 سے 117 ایم اے ایف تک
iii. 117 ایم اے ایف سے زیادہ

ارسا نے فیصلہ کیا کہ خیبر پختون خواہ اور بلوچستان کو پانی کی کمی میں شرکت سے استثنیٰ ہوگا۔

سندھ کا خیال ہے کہ معاہدے میں مندرجہ بالا استثنیٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے نفاذ کی مندرجہ بالا تشریح سے سندھ کے حصے میں کمی آتی ہے جس پر سندھ کو اعتراض ہے۔ بلوچستان کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ استثنیٰ کے باوجود بلوچستان کو پنجاب اور سندھ کے مقابلے میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ صوبائی حصوں کا تعین کرنے سے پہلے ہی رم سٹیشن پر دستیاب پانی میں سے ربیع کے لئے 10 فی صد تک اور خریف کے لئے 15% نقصانات کی کٹوتی کر لی جاتی ہے۔

(حقیقی ضیاع اس سے زیادہ ہوتا ہے۔) ضیاع عام طور پر دو اہم وجوہات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اول سندھ اور پنجاب میں کچے کے علاقوں میں آبپاشی اور دوئم ہیڈز سے پانی چھوڑنے کے نظام میں شفافیت کی کمی اور کنال ہیڈز پر پانی کی مقدار کے بارے میں صوبے کے فراہم کردہ اعداد و شمار۔۔۔۔۔۔ اس ضیاع کو سندھ اور پنجاب استعمال میں لاتے ہیں۔ بلوچستان کا کہنا ہے کہ وہ پانی کی کمی میں اپنا حصہ برداشت کرنے کو تیار ہے اگر اس کا تخمینہ رم سٹیشنز پر کوتیوں سے قبل دستیاب کل پانی سے لگایا جائے۔

پنجاب اور سندھ کے درمیان چشمہ لنک کنال کس طرح تنازع کا باعث ہے۔

1960 کے سندھ طاس معاہدے کے تحت تین مشرقی دریا بھارت کو دینے کی وجہ سے ہونے والی پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے دریائے سندھ سے دو لنک کنال تعمیر کی گئیں۔

جہلم چشمہ لنک کنال اور تونسہ پنجند لنک کنال۔ اب تک ان نہروں کو چلانے کے لئے کوئی ضابطہ کار وضع نہیں کیا گیا ہے۔ چونکہ پانی کی تقسیم کے معاہدے نے پانی صوبوں میں تقسیم کر دیا ہے ہر صوبے کو حصہ اس کے مطابق ملے گا۔ اگر ذیلی دریاؤں (جہلم اور چناب) میں پانی کم ہے اور دریائے سندھ میں فالتو ہے تو اس فالتو پانی کو ان لنک نہروں کے ذریعے ذیلی علاقوں میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر دریا سندھ کے علاقوں میں پانی کی کمی ہے اور ان ذیلی علاقوں میں پانی ضرورت سے زائد ہے تو ان سے بھی پانی سندھ میں منتقل ہونا چاہیے۔ مگر سندھ کی سطح ان ذیلی دریاؤں سے اونچی ہے لہذا پانی کی کمی ان دریاؤں سے ان دونوں لنک کنالوں کے ذریعے دریائے سندھ کو منتقلی ممکن نہیں۔

سندھ اور بلوچستان صوبوں کو پانی پنجند سے نیچے ہی دیا جاسکتا ہے۔

1960ء میں سندھ طاس معاہدے کے تحت تین مشرقی دریاؤں کو بھارت کو دئے جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے تین ذخائر اور 8 نہریں تعمیر کی گئیں۔ ان 8 نہروں میں سے دو (جہلم چشمہ لنک کنال اور تونسہ پنجند لنک کنال کا مقصد دریائے سندھ کے پانی جنوبی پنجاب میں منتقل کرنا تھا۔ پانی کی تقسیم کے معاہدے کے تحت صوبوں کے حصوں کا تعین کر دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان کو حصہ ملے گا۔ جہاں خیبر پختون خواہ، سندھ اور بلوچستان تینوں اپنا حصہ دریائے سندھ سے حاصل کرتے ہیں۔ پنجاب کو تقسیم تین حصوں یا زونوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جہلم چناب (J-C) زون، ذیلی زون، سندھ زون۔ J-C زون صرف دریائے جہلم اور دریائے چناب سے پانی حاصل کرسکتا ہے۔ انڈس زون یا سندھ زون صرف دریائے سندھ سے جبکہ ذیلی زون دریائے سندھ اور J-C دونوں زون سے پانی حاصل کرسکتا ہے۔

جب دریائے سندھ سے پنجاب کا حصہ نکالا جاتا ہے تو یہ اپنے حصے میں سے کچھ انڈس کنالز میں استعمال کرتا ہے یعنی کہ تھل کینال، چشمہ رائٹ بنک کنال (CR&C)، ڈیرہ غازی خان کینال، (DGKC) اور مظفر گڑھ کنال اور کچھ حصہ CJ اور TB لنک کنالوں کے ذریعے ذیلی زون میں استعمال کرتا ہے۔ پنجاب کی دلیل ہے کہ ارسا نے اس کے حصے کا تعین کر دیا ہے تو یہ معاہدے کے پیراگراف C-14 کے مطابق جیسے چاہے اس کا استعمال کرسکتا ہے۔ جبکہ سندھ کی دلیل یہ ہے کہ جب تک سندھ میں کمی ہے پنجاب دریائے سندھ سے ذیلی علاقوں میں پانی منتقل نہیں کرسکتا چاہے اس کا سندھ کے پانی میں حصہ ہو۔

پانی کی دستیابی میں کمی اور بڑھتی ہوئی ضروریات کی تفصیل:

2002ء میں وزارت بجلی و پانی کی تیار کی گئی ''پاکستانی کے قومی آبی وسائل کی حکمت عملی 2002'' کے مطابق سندھ طاس کے علاقے میں سطح پر پانی کی

دستیابی میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور یہ 138 ایم اے ایف سے 145 ایم اے ایف تک رہتی ہے۔ جبکہ 3.8 ایم اے ایف سندھ طاس کے علاقے سے باہر دستیاب ہوتا ہے۔ پہاڑی ندی نالوں کے ذریعے بارش کے پانی کو ذخیرہ کرنے کی گنجائش 17 ایم اے ایف ہے جبکہ زیرِ زمین 56 ایم اے ایف تک پانی موجود ہے۔

تاہم درج بالا اعداد و شمار میں تبدیلی آ رہی ہے جس کی وجوہات میں ماحولیاتی اور موسمیاتی تبدیلیاں، گلیشیئرز کا پگھلنا، بھارت کا مغربی دریاؤں کے پانی کا استعمال، جس کا وہ سندھ طاس معاہدے کی رو سے حقدار ہے، اور افغانستان میں دریائے کابل پر بندوں کی تعمیر ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی، شہروں کے پھیلاؤ اور صنعتوں میں اضافے کی وجہ سے پانی کی ضرورت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ موجودہ اور مستقبل کی ضروریات کا تقابلی جائزہ ذیل میں دیا گیا ہے۔

		2003ء	2005ء	فی صد اضافہ
.i	کھیتوں میں زراعت	1	1	28%
.ii	شہروں اور دیہات میں پانی کی فراہمی نکاس اور ماحولیات	5	1	110%
.iii	صنعت	2	4	118%
		1	1	

خیبر پختون خواہ میں کالا باغ ڈیم پر مختلف آراء

ذیل میں خیبر پختون خواہ سے تعلق رکھنے والے کالا باغ ڈیم کے چند حمایتیوں اور مخالفوں کی آراء کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

ا۔ وادی پشاور بشمول نوشہرہ شہر میں سیلاب

کالا باغ ڈیم کی مخالفین کو یہ خدشہ ہے کہ تاریخی طور پر وادی پشاور جس میں نوشہرہ کا شہر بھی شامل ہے سیلابوں کی زد میں رہی ہے اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر کی صورت میں اس میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ کالا باغ ڈیم کے حمایتیوں کا کہنا ہے کہ 29 اگست 1929 کو آنے والے سیلاب میں نوشہرہ کا شہر اور خیر آباد سے نوشہرہ تک G.T. روڈ بھی ڈوب گئے تھے۔ جبکہ اس وقت کالا باغ ڈیم نہیں تھا۔ جولائی اگست 2010 میں بھی یہی صورت حال زیادہ سنگین شکل میں پیش آئی اور

آئندہ بھی خدشہ ہے پچھلے 81 سالوں میں کالاباغ ڈیم کی عدم موجودگی میں نوشہرہ کا دوبار سیلاب کی زد میں آنا ایک زمینی حقیقت ہے۔ کالاباغ ڈیم کے حمایتی یہ بھی کہتے ہیں کالاباغ جھیل کے بیک واٹر اثرات نوشہرہ شہر سے دس کلومیٹر نیچے ختم ہوں گے۔

۲۔مردان، پبی اور صوابی میں نکاسی کے نظام کو خطرہ

کالاباغ کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ کالاباغ میں پانی کے ذخیرے کی وجہ سے مرادن، پبی اور صوابی میں پانی کی نکاسی کا نظام شدید متاثر ہوگا جس کی وجہ سے سیم وتھور کے مسائل جنم لیں گے۔ کالاباغ ڈیم کے حمایتیوں کا کہنا ہے کہ مردان کالاباغ سے 200 کلومیٹر ہے، پبی 230 کلومیٹر اور صوابی 160 کلومیٹر دور ہے۔ مردان، پبی اور صوابی میں پانی کی نچلی سطح بالترتیب 970، 960 اور 1000 فٹ سطح سمندر سے بلند ہے جبکہ کالاباغ کی حد اونچائی 915 فٹ ہوگی وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کالاباغ میں پانی کی سطح ان علاقوں سے کم ہوگی۔ دوسری طرف تربیلا صوابی سے بہت زیادہ نزدیک ہے اور اس ذخیرے میں پانی کی سطح ان علاقوں سے 550 تک بلند ہو جاتی ہے اور سال بھر میں اوسطاً 400 فٹ تک ان علاقوں سے بلند رہتی ہے اور ایک اضافی نیٹ ورک ہے جس میں سارا سال پانی ایک وسیع سطح تک برقرار اور دستیاب رہتا ہے۔ ان علاقوں میں سیم وتھور کے لئے کیا چیز زیادہ خطرناک ہے۔ ایک ایسا ذخیرہ جہاں پانی کی سطح ان علاقوں سے 120 فٹ نیچے ہوگی یا پھر پانی کا ایسا ذخیرہ جہاں پانی کی سطح ان علاقوں سے 400 فٹ بلند بھی ہے اور بالکل ان علاقوں سے ملحقہ بھی ہے؟

۳۔مردان سکریپ پر اثرات

کالاباغ ڈیم کے مخالفین کہتے ہیں کہ مردان میں تھور کی روک تھام اور زمین کی بحالی کا پراجیکٹ (Scarp) کالاباغ ڈیم کی تعمیر سے شدید متاثر ہوگا۔ کالاباغ ڈیم کے حمایتی اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مردان سکریپ نکاسی نالے سے کالاباغ ڈیم کا طبیعاتی، آبی یا سطحیاتی کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ مردان سکریپ کے نکاسی نالے کی سطح کالاباغ کی حد اونچائی 915 فٹ اور دریائے کابل اور کلپانی خوار کے بیک واٹر لیول سے زیادہ ہے اس لیے ماہرین کے مطابق یہ نالے ڈیم بننے کے بعد بھی بغیر کسی رکاوٹ کے کام کرتے رہیں گے۔

4۔زرخیز قابل کاشت زمین کا زیرآب آنا

کالاباغ ڈیم کے مخالفین کا کہنا ہے کہ زرخیز قابل کاشت زمین کالاباغ ڈیم کی وجہ سے زیرآب آجائے گی۔ کالاباغ ڈیم کے حمایتیوں کا بیان ہے کہ ڈیم میں کل 3000 ایکٹر قابل کاشت زمین زیرآب آئے گی جس میں 2900 ایکٹر حصہ صوبہ پنجاب میں اور صرف ایک سو ایکٹر خیبر پختونخواہ میں ہے۔ تاہم ان کا کہنا ہے کہ صرف مردان Scarp پراجیکٹ کے لیے ایک ہزار قابل کاشت زمین استعمال ہوگی۔

5۔آبادی کا انخلاء

کالاباغ ڈیم کے مخالفین کا موقف ہے کہ ڈیم کی تعمیر سے بہت بڑی آبادی کو ہٹانا پڑے گا جبکہ ڈیم کے حمایتیوں کا کہنا ہے کہ 1998 کی مردم شماری کے مطابق 108,101 افراد کو دوسری جگہ آباد کرنا پڑے گا جس میں 65,929 افراد پنجاب سے اور 42,172 افراد خیبر پختونخواہ سے ہوں گے اس کے مقابلے میں کراچی میں لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر سے اڑھائی لاکھ افراد کو ہٹانے کا تخمینہ لگایا گیا ہے اس لیے آبادی کا ہٹایا جانا کوئی غیر معمولی عمل نہیں ہے اور ان کی دوبارہ آبادہ کاری اور مناسب متبادل جگہ کی فراہمی کی صحیح منصوبہ بندی سے اس عمل کو کم تکلیف دہ بنایا جاسکتا ہے۔

صوبہ سندھ میں کالاباغ ڈیم اور دریائے سندھ پر تعمیر کئے جانے والے دوسرے آبی ذخائر کے بارے میں پائے جانے والی مختلف خیالات:

ا۔ دریائے سندھ میں پانی کی دستیابی

کالا باغ ڈیم کے مخالفین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دریائے سندھ میں پانی کا بہاؤ کمی بیشی کا شکار رہتا ہے

اوراس میں بتدریج کمی آرہی ہے۔ ماضی کے ریکارڈ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سال فالتو پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ اگر ایک بہت بڑا ڈیم تعمیر کیا جاتا ہے جس کی لاگت 5 ارب ڈالر سے 17 ارب ڈالر تک ہوسکتی ہے تو یہ کوشش ہوگی کہ ہر سال اسے بھرا جائے۔ پانی کے کم بہاؤ کے سالوں میں جب اضافی پانی دستیاب نہیں بھی ہوگا تب بھی ڈیم کو بھرنے کا عمل نہیں روکا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سندھ میں آبپاشی کی ضروریات کے دستیاب پانی میں کمی آجائے گی۔

۲۔ اس کے برعکس خیالات رکھنے والے افراد کہتے ہیں کہ دریائے سندھ کے پانی میں سالانہ اور موسمیاتی تغیرات کا صدیوں سے علم ہے۔ اس کے باوجود اس علاقے میں آبپاشی کا ایک وسیع وعریض نیٹ ورک تعمیر کیا گیا۔ پانی کے بہاؤ پر کی بیراجوں کی منصوبہ بندی اور تعمیر کی گئی اور اس سے سسٹم میں پانی کی کمی اضافہ ہوا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا عمل شروع کیا جائے گا جس کے ذریعے اس کا مداوا ہوسکے اور یہ صرف ایک ایسے ذخیرے کی تعمیر کے ذریعے ممکن ہے جو کہ اضافی یا فالتو پانی کو ذخیرہ کر کے کمی والے موسم یا وقت میں منتقل کر سکے۔ وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی کے بہاؤ میں کمی بیشی اور صوبوں میں تقسیم کا فیصلہ ارسا کرتا ہے اور کوئی بھی ایک فریق خود اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کنٹرول کے نظام کو بہتر اور طاقتور بنایا جائے تا کہ صوبوں کے حصوں میں خلاف ورزی کی نشاندہی فوری طور پر ہوسکے اور بروقت اس پر سزا دی جاسکے۔ ڈیم کے حمایتی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک کثیر المقاصد ڈیم ہوگا اور اگر زیریں علاقوں میں پانی کی ضروریات کبھی کبھی ڈیم کو بھرنے کی اجازت نہ بھی دیں تب بھی بجلی کی پیداوار اور سیلاب کے روک تھام کے فوائد تو موجود رہیں گے اور مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فوائد بے پناہ اہمیت اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

ڈیم کے حمایتیوں کا خیال ہے کہ ارسا کو اس حد تک طاقتور بنایا جائے کہ کوئی بھی صوبہ اپنے حصے سے زیادہ پانی حاصل نہ کر سکے۔ اگر ہر صوبے کے حقوق کے تحفظ کا ایک منصفانہ نظام موجود ہو تو کالا باغ ڈیم سے نکالی جانے والی نہریں ان شکوک کا باعث نہیں بنیں گی کہ بالائی علاقوں سے پانی حاصل کرنے والے، زیریں علاقوں سے پانی حاصل کرنے والوں کے حقوق غصب کریں گے۔ وہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ ارسا کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر صوبے کے حق اور حصے کی فراہمی کو یقینی بنائے بجائے اس کے کہ دوسروں صوبوں کے مقابلے میں ایک صوبہ اپنے حصے تک رسائی حاصل نہ کر سکے اور پانی کا رُخ موڑنے کے معاشی اخراجات کا سامنا کرے۔

۳۔ سیلابہ کے علاقے میں کاشتکاری

ڈیم کے مخالفین کا خدشہ ہے کہ کالا باغ میں 6.1 ملین ایکڑ پانی کو ذخیرہ کرنے سے دریائے سندھ میں آنے والے بہاؤ میں کمی آئے گی جس کی وجہ سے سندھ میں سیلابی کاشتکاری متاثر ہوگی۔ ڈیلٹا کے علاقے میں آبی جنگلات متاثر ہوں گے، مچھلیوں اور جھینگے کی پیداوار متاثر ہوگی، ڈیلٹا میں لائیوسٹاک، آبی و جنگلی حیات، پینے کے پانی کی فراہمی، دریائی جنگلات اور سمندری پانی کی دریا میں آمد میں اضافے جیسے مسائل پیدا ہوں گے اس کے ساتھ ساتھ دریائی راستے میں ابتری آئے گی، ڈیلٹا کے علاقے میں غربت میں اضافہ ہوگا اور دریا کے ساتھ ساتھ میٹھے پانی کے ٹیوب ویل بھی متاثر ہوں گے۔

ڈیم کے حمایتیوں کا کہنا ہے کہ مستند اور ماہر مشاورتی اداروں کی جانب سے جامع سٹڈیز کی گئی ہیں اور بین الاقوامی ماہرین کے ایک پینل نے مندرجہ بالا تمام مسائل کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ان تمام تیکنیکی اور پیش پیشہ وارانہ سٹڈیز کا ماحاصل یہ ہے کہ مندرجہ بالا تمام ماحولیاتی مسائل پر قابو پانے کے لئے کوٹری سے زیریں علاقے میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں۔

- سارا سال لگا تار 5000 کیوسک کا بہاؤ برقرار رکھا جائے۔
- 5 سال کے عرصے میں کل 25 ایم اے ایف کا سیلابی بہاؤ یقینی بنایا جائے۔

4۔ سمندری پانی کا سندھ ڈیلٹا میں داخل ہونا

کالا باغ کے مخالفین یہ رائے بھی دیتے ہیں کہ ڈیم کی تعمیر سندھ ڈیلٹا میں سمندری پانی کا دخول بڑھ جائے گا جبکہ ڈیم کے حمایتیوں کا موقف ہے کہ حقیقی ڈیٹا کے جائزے سے یہ خدشہ بے بنیاد نظر آتا ہے۔

دریائے سندھ پر دوسرے ذخائر کی منصوبہ بندی

ا۔ ذخیرہ کے لئے پانی کی عدم دستیابی اور کوٹری سے نیچے پانی کا بہاو

دریائے سندھ پر کسی بھی دوسرے آبی ذخیرے کے مخالفین کا خیال ہے کہ ہر سال ایسے کسی بھی ذخیرے کو بھرنے کے لئے اضافی پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ ان کے مطابق اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ پچھلے دس سالوں کے دوران چھ سالوں میں کوٹری سے نیچے کا بہاؤ 6 ایم اے ایف سے کم رہا ہے جیسا کہ ذیلی جدول سے ظاہر ہے۔

سال	کوٹری سے نیچے پانی کا بہاؤ
2000-01	0.745 MAF
2001-02	1
2002-03	2
2004-05	0
2008-09	5
2009-10	4

لہذا وہ پوچھتے ہیں کہ پچھلے چھ سالوں میں یہ ذخیرہ کیسے بھر جا سکتا تھا اور اگر اسے بھرا جائے تو چونکہ سندھ سب آخر میں پانی حاصل کرتا ہے تو ان کا خدشہ ہے کہ سندھ لامحالہ متاثر ہوگا۔

دریائے سندھ پر دوسرے ذخائر کی تعمیر کے حمایتی یہ کہتے ہیں کہ کوٹری سے نیچے پانی کے بہاؤ کے درست تصویر حاصل کرنے کے لئے صرف 6 سال کی بجائے پچھلے 20 سے 30 سالوں کے بہاؤ کا مطالعہ کیا جائے گزشتہ 35 سال میں کوٹری سے نیچے پانی کا اوسط بہاو 31.25 ایم اے ایف رہا ہے۔

ڈیم کے حمایتی یہ بھی کہتے ہیں کہ دریائے سندھ پر دوسرے ذخائر کی تعمیر پر صوبہ سندھ کے تحفظات کی بنیاد تین وقفوں 01-2000 سے 03-2002 اور 5-2004 میں پانی کی کمی کے اعداد و شمار پر ہے۔ یہ چار سال تربیلہ ڈیم بننے کے بعد کے 40 سالوں کا حصہ ہیں۔ کیا باقی کے 36 سالوں میں زراعت توانائی اور سیلاب کے کنٹرول میں جو فوائد حاصل ہوئے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔؟

پانی کی تقسیم پر سندھ اور بلوچستان کے اختلافات

بلوچستان سندھ میں دو بیراجوں گدو اور سکھر سے پانی حاصل کرتا ہے ۔ 1991 میں پانی کی تقسیم کے معاہدے کے تحت بلوچستان کے لئے گدو بیراج سے خریف میں 2.24 ایم اے ایف اور ربیع میں 0.77 ایم اے ایف پانی مختص کیا گیا ہے۔ جبکہ سکھر بیراج سے خریف میں 0.61 ایم اے ایف اور ربیع میں 0.25 ایم اے ایف مختص کیا گیا ہے۔

گدو بیراج سے بلوچستان کو پانی کی فراہمی میں نسبتاً کم مسائل ہیں۔ تاہم جون کے اختتام اور جولائی کے شروع میں جب چاول کی کاشت اپنے عروج پر ہوتی ہے اس وقت سکھر بیراج سے تقسیم ایک بڑا مسئلہ ہوتی ہے- کیونکہ بلوچستان کو بغیر کمی کے جون کی بیس سے لے کر ستمبر کے خاتمہ تک 2200 کیوسک تفویض کیا گیا ہے- تاہم سندھ کے مطابق وہ جون کے اختتام اور جولائی کے شروع میں سطح کی مشکلات کی وجہ سے 2200 کیوسک مہیا نہیں کر سکتا- سندھ اس پر بھی قائم ہے کہ شمال مغربی نہر اوپر والے عرصے کے دوران مطلوبہ اخراج نہیں نکال سکتی جب تک کہ دریا کا اخراج 35,000 1 کیوسک نہ ہو جائے- بلوچستان کا کہنا ہے کہ اسے خریف کاشت کے عروج سیزن میں بھی 2200 کیوسک کے مختص حصے کے بجائے 1400 کیوسک ملتا ہے بلوچستان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب سکھر بیراج میں بہاو 153,000 کیوسک اور پونڈ لیول 199.5 تک پہنچ جاتا ہے اسے اس وقت بھی شمال مغربی نہر سے اپنا پورا حصہ نہیں ملتا۔ بلوچستان چاہتا ہے کہ سندھ حکومت شمال مغربی نہر میں خرابی کی وجوہات تلاش کرے ۔ ۔بلوچستان سمجھتا ہے کہ رک کمپلیکس کی تعمیر سندھ نے بغیر صحیح ریاضیاتی اور ماڈل اسٹڈی کے کی جس سے نہر میں 5 سے 6.5 فٹ تک غیر معمولی طور پر گاد اکھٹا ہو گیا ہے۔ بلوچستان چاہتا ہے کہ سندھ رک کمپلیکس کی ماڈل اسٹڈی کرانے کے ساتھ شمال مغربی نہر سے اخراج کو درست کرنے کے لئے اقدامات کرے۔

بلوچستان یہ بھی کہتا ہے کہ حب ڈیم اپنے کیچمنٹ ایریا سے بارشوں کے پانی کو اکھٹا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس ایریا میں 72 فیصد بلوچستان اور 28 فیصد سندھ میں واقع ہے لیکن پانی کی تقسیم میں سندھ کو 63 فیصد اور بلوچستان کو 37 فیصد حصہ دیا جاتا ہے بلوچستان کا خیال ہے کہ اس غیر مناسب تقسیم کی تصحیح کی جائے۔

اوپر والے فارمولے کے مطابق مجوزہ تقسیم حب ڈیم میں درحقیقت 175.96 ایم ڈی جی اخراج اور موجودگی پر منحصر ہے-

مخصوص کردہ (ایم ڈی جی)

صوبہ	مجوزہ جیسا جی اور بی دعوی کرتی ہے	موجودہ
سندھ	51.03	101.78
بلوچستان	124.93	59.00
کل	175.96	160.78

بلوچستان یہ بھی سمجھتا ہے کہ سندھ نے واپڈا کی جانب سے بننے والے رائٹ بنک آوٹ فال ڈرین III منصوبے میں روکاوٹ ڈالی جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے بلوچستان سمجھتا ہے کہ وفاقی حکومت کے ایک سوارب روپے کے فنڈ سے بننے والا منصوبہ صرف ایک صوبے تک محدود نہیں رہنا چاہے۔

پانی کے وسائل کے بارے میں پاکستان کے دوسرے علاقوں اور صوبوں کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات

سندھ کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات

i) جب صوبہ سندھ میں آبپاشی کے لئے پانی کی قلت ہوتی ہے پانی کو منگلا ڈیم میں جمع کیا جاتا ہے سندھ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ آبپاشی کے لئے سندھ کی ضروریات کو پہلے پورا کیا جائے اور بعد میں ڈیم میں پانی ذخیرہ کیا جائے۔

• پنجاب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دریائے جہلم پہلے چڑھتا ہے۔اگر جون کے آخر تک ڈیم 80 فیصد نہ بھرا جائے تو یہ اپنی گنجائش کے مطابق پانی نہیں پورا کر سکے گا۔ڈیم کی پراجیکٹ رپورٹ کے مطابق اس کی بھرائی کا معیار بھی یہی ہے کہ اس کو جلد بھر جانا چاہیے۔سندھ اس پر اعتراض لگاتا ہے اور اس کی تاخیر سے بھرائی پر زور دیتا ہے تاکہ خریف کے شروع میں پانی کی کم آمد میں مدد ہو سکے۔کئی سالوں کا ریکارڈ دیکھا جائے کہ جب ڈیم پہلے بھر دیا جاتا ہے تو نتیجتاً جولائی، اگست میں سپل وے کھولے جائیں۔

ii) سندھ کوٹری ڈاون اسٹریم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دس ہزار ایکٹر فٹ کا مطالبہ کرتا ہے۔بین الاقوامی مشاورت کے ساتھ اس چیز کا مطالعہ کیا گیا لیکن اب تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کتنی مقدار درکار ہے اور کوٹری کی ضروریات کے لئے پانی نہیں چھوڑا جاتا۔

بلوچستان

ا۔پنجاب اور سندھ کے طرف سے 1991 کے پانی کی تقسیم کے معاہدے کے پیرا9 کی ممکنہ خلاف ورزی

بلوچستان سمجھتا ہے کہ پنجاب اور سندھ دریائے سندھ کے معاون دریاوں پر کئی ڈیم اور آبپاشی کے منصوبے تعمیر کر رہے ہیں جس سے دریائے سندھ میں پہنچنے سے پہلے ہی پانی کم ہو جاتا ہے بلوچستان چاہتا ہے کہ حکومت پاکستان اور ارسا پانی کی تقسیم کے معاہدے کے پیرا 9 کی اس خلاف ورزی کا جائزہ لے۔

II۔صوبہ پنجاب کی طرف سے ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے پانی میں کمی

بلوچستان سمجھتا ہے کہ دریائے سندھ میں پانی کی کمی کی ایک وجہ صوبہ پنجاب میں پانچ ہزار ٹیوب ویلوں کی تنصیب بھی ہے بلوچستان چاہتا ہے کہ حکومت پاکستان دریا کے کنارے نصب ہونے والے ان ٹیوب ویلوں کے اثرات کا جائزہ لے اور ان سے حاصل کیے جانے والے پانی کو بھی قابل تقسیم پول کا حصہ بنائے

III۔نہری نظام کی توسیع اور بلوچستان کے لیے مختص بیراج

بلوچستان کہتا ہے کہ اس کی سات ملین ایکٹر قابل کاشت زرخیز زمین موجود ہے جس کو پٹ فیڈر کینال کمانڈ ایریا کو اس علاقے تک توسیع دے کر سیراب کیا جاسکتا ہے بلوچستان چاہتا ہے کہ پنجاب میں اس کے لئے الگ مقام پر بیراج تعمیر کیا جائے اس مقام کی اونچائی اتنی ہو کہ بلوچستان کی موجودہ اور نئی نہروں میں پانی با آسانی آسکے۔

آزاد کشمیر، دارلخلافہ اسلام آباد اور فاٹا

یہ تمام تینوں علاقے پینے اور دوسرے مقاصد کے لئے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔تاہم ارسا پانی کی تقسیم کے معاہدے میں ان کو حصہ دار نہیں مانتا۔

ٹیلی میٹری کی ضرورت

بہاؤ کی درست پیائش پانی کے تقسیم میں باقاعدگی کے لئے شرط اول ہے۔ ارسا کی جانب سے صوبوں کے پانی کے تیار کردہ کھاتے صوبوں کی طرف سے دیئے گئے نہروں سے پانی کے اخراج کے مواد پر مبنی ہیں۔ بیراج اور نہروں سے پانی کے اخراج کے سلسلے میں شفافیت کے لئے 2004 میں ٹیلی میٹری کا نظام قائم کیا گیا لیکن بدقسمتی سے یہ مقصد کو پورا نہ کرسکا اور صوبوں کا اعتماد نہ حاصل کرسکا۔

اس نظام میں مختلف مشکلات درپیش ہیں۔ سب سے پہلے پانی کے بہاؤ کی پیائش کا فارمولا جو صوبوں نے دیا اس پر یکسانیت ہونی چاہیے دوسری مشکل پانی کی سطح کا ہے ٹیلی میٹری اور مینوئل طریقہ کار کے تحت اخراج کی مقدار میں بہت بڑا فرق ہے یہاں تک کہ واپڈا کی طرف سے منگلا، تربیلا، چشمہ اور دریائے کابل کے لئے موصول کردہ اخراج کی ٹیلی میٹری اور مینوئل مقدار ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس وقت ٹیلی میٹری نظام واپڈا کے تحت ہے اور توقع ہے کہ حکومت نظام کی بحالی کے لئے اور ارسا اور صوبوں میں رابطہ کاری میں خامیوں کو ختم کرنے کے لیے عالمی بنک کے مالیاتی تعاون کے ساتھ واٹر سیکٹر کیپسٹی بلڈنگ اور ایڈوائزری سروسز پراجیکٹ پر کام کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔

ایک پہلو جو نہایت اہم ہے کہ زیادہ تر بیراج اور نہریں صوبوں کے تحت ہیں۔ ٹیلی میٹری نظام کے اس وقت تک مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہو سکتے جب تک صوبے اس نظام کو چلانے کے لئے ملکی مفاد میں مکمل طور پر راضی اور مخلص نہ ہوں۔ کوئی بھی فریق اپنے مفاد کے لئے اس نظام کو غارت کرسکتا ہے۔

صوبوں کے درمیان پانی کے تنازعات کے حل کی آئینی شقیں

چاروں صوبوں کے درمیان ارسا پانی کی تقسیم کرتا ہے جو 1992 کے ارسا ایکٹ کے تحت قائم ہوا۔ وفاق یا کسی صوبوں کو ارسا کے کسی فیصلے سے اختلاف ہو تو وہ مشترکہ مفادات کونسل میں معاملہ اٹھا سکتا ہے جہاں اکثریتی ووٹ سے فیصلہ ہوگا۔ اگر اس سے بھی متعلقہ فریق کی تشفی نہ ہو تو پھر تنازعہ کے حل کے لئے پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس طلب کیا جاسکتا ہے (یہ شقیں آئین کے آرٹیکل 153، 154 اور 155 کا احاطہ کرتی ہیں۔)

مستقبل کے لائحہ عمل کیلئے چند ممکنہ سفارشات

صوبوں میں پانی کے تنازعہ کی اہم وجہ ایک دوسرے پر اعتماد کی کمی اور ایک صوبے کا دوسرے صوبے سے انصاف کی توقع نہ رکھنا ہے۔ جب کثیر مقدار میں پانی مہیا کیا جائے اور ہر حصہ دار کو معاہدہ کے مطابق پانی مہیا کیا جائے تب تنازعہ نہیں ہوگا۔ اور جب پانی کم ہوگا اور سب کو کسی معاہدے کے تحت حسب تناسب کم پانی ملے گا تب بھی تنازعہ نہیں ہوگا تاہم اگر کسی حصہ دار کو معاہدے کے مطابق حسب تناسب پانی نہیں ملتا تو تنازعہ کھڑا ہوتا ہے۔ تحریری معاہدہ کی مسلسل خلاف ورزی چاہے وہ صحیح ہو یا خیالی بے اعتباری پیدا کرتی ہے جو وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی ہے اور متاثرہ فریق کو مناسب چیزیں بھی نامناسب لگنے لگتی ہیں۔ تنازعہ کو حل کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے بے اعتباری کو اعتبار میں تبدیل کیا جائے۔ یہ اس وقت ممکن ہوگا جب تمام فریق مطمئن ہوں کہ معاہدہ پر صحیح عمل ہو رہا ہے۔ خوش قسمتی سے پانی کی تقسیم پر ایک متفقہ معاہدہ موجود ہے۔ پانی کے معاہدہ سے باہر تبدیلیوں کی اجازت بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ زبانی طے کردہ چیزوں کے حوالے کو معاہدے کا حصہ نہیں بنانا چاہیے اور حصہ داری معاہدہ کے مطابق ہی ہونی چاہیے۔ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کو کمی سے استثنیٰ کے بارے میں سندھ کی شکایات کا مطالعہ پانی کی حسب تناسب تقسیم کے پیرا 14 (بی) کی روشنی میں کیا جانا چاہیے جو اس پر مبنی ہے کہ پانی کی کمی یا زیادتی کو پورے پاکستان کی بنیاد پر تقسیم ہونا چاہیے۔ نہروں کو اس قانون کو بحث و مباحثہ اور اتفاق رائے سے بنانا چاہیے۔ اسی طرح منگلا ڈیم کو بھرنے کا قاعدہ بھی بحث و مباحثہ اور اتفاق رائے سے بننا چاہیے۔

مندرجہ بالا عمل آہستہ آہستہ بے اعتباری ختم کرے گا اور مصالحت کی راہ ہموار ہوگی- جب اس کا حصول ہوجائے تو ذخائر کی تعمیر پر بھی اتفاق ہوسکتا ہے اور آزاد کشمیر اور فاٹا کی گذارشات کو پورا کیا جاسکتا ہے-

کچھ ماہرین کی رائے ہے کہ اعتماد پیدا کرنے کا راستہ مکمل طور پر داخلی ہے اور کامیابی کی ضمانت نہیں ہے اس لیے ایک اور راستہ ہے- تمام تنازعہ اس چیز سے اٹھتا ہے کہ کمی کو تقسیم کیا جائے کیا پانی کے سرپلس کی صورت میں حصہ داری میں اس کو نہیں بدلا جاسکتا ؟ بلاشبہ یہ پانی کے کثیر ذخائر کی صورت میں ہی ممکن ہے- بلا امتیاز تمام فریق منگلا اور تربیلا کے ذخائر سے مستفید نہیں ہورہے حتی کہ ستلج، بیاس اور راوی کے بہاؤ کے کم ہونے کے بعد بھی- تاہم ایسی حکمت عملی میں پانی کا ماہانہ محاسبہ ہونا چاہیے جس میں جرم وار کو سزا اور محروم کی اعانت کی جائے-

یہ حکمت عملی نہ صرف پنجاب اور سندھ میں موجود تنازعہ کو ماضی کا قصہ بنا دے گی بلکہ نچلے حصوں میں رہنے والوں کو بھی اعتماد حاصل ہوگا (مطلب سندھ اور بلوچستان) اس سے کالا باغ ڈیم کے دائیں طرف سے اور بائیں طرف کے اعلی سطح کی نہروں کے بارے میں شکوک وشبہات میں بھی کمی ہوگی-

مندرجہ ذیل نکات مقاصد کے حصول کے لئے توجہ طلب ہیں-

1) ارسا کی تکنیکی صلاحیت کو بڑھایا جائے- ارسا کو براہ راست کیبنٹ ڈویژن کے انتظامی کنٹرول کے تحت کیا جائے- فیصلہ سازی کے لئے سی سی آئی کو براہ راست جواب دہ ہو-

2) مالیاتی اور انتظامی اختیارات بڑھانے کے ساتھ ارسا کے بجٹ کو بڑھانے کی ضرورت ہے-

3) ارسا کو پانی کی چوری پر صوبوں کو سزا دینے کا اختیار ہونا چاہیے-

4) ٹیلی میٹری نظام کو ترجیحی بنیاوں پر فعال بنایا جائے اور ارسا کے سٹاف کو تربیت دی جانی چاہیے تا کہ وہ خود سے کام انجام دے سکیں

5) بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کو ضروری ڈھانچہ دیا جائے تا کہ وہ اس قابل ہوسکیں کہ 1991 کے معاہدہ کے تحت پانی کا پورا حصہ حاصل کرسکیں اس اہلیت کے ساتھ کہ مستقبل میں جمع کردہ ذخائر سے بھی حصہ حاصل کرسکیں

6) صوبے جو اپنے پانی کا حصہ استعمال نہ کرسکیں وہ اس قابل ہوں کہ وہ اپنا حصہ بیچ سکیں اور باہمی اتفاق کے ساتھ دوسرے صوبے کی مرضی سے پانی بیچ یا تبادلہ کرسکیں-

7) 1991 کے معاہدہ پر جذبہ کے ساتھ عمل کیا جانا چاہیے

8) پانی کا سالانہ حساب کیا جانا چاہیے تا کہ کسی قسم کی بے قاعدگی اور چوری کو سامنے لایا جاسکا

9) ارسا کو بھاری جرمانے کرنے کا اختیار ہونا چاہیے اور رقم متاثرہ صوبے کو دی جائے-

10) سندھ طاس کے حساب کتاب کے نظام کو بہتر بنانا چاہیے اور ارسا پانی کی تقسیم میں اس کو استعمال کرے- مستقبل کے چیلنج کے کم کرنے کے لئے پانی کی دستیابی پر ماحولیاتی تبدیلیوں کے اثرات کا جائزہ لیکر حکمت عملی مرتب کی جائے

11) موسم کی پیش گوئی کے نظام کو قابل بھروسہ بنانے کے لئے مزید بہتر بنایا جائے-

12) ماضی قریب کے سیلاب کے تناظر میں موجودہ ذخائر کی فعالیت کے طریقہ کار پر جامع مطالعہ کی ضرورت ہے تا کہ مستقبل میں سیلاب کے نقصانات کو کم کیا جاسکے- اسی طرح اضافی ذخائر کے تخفیفی کردار کا مطالعہ جیسا کہ منگلا، تربیلا اور چشمہ کے ساتھ بھاشا، منڈا، اکوڑی اور کالا باغ ڈیم شروع ہونی چاہیے-

13) صوبائی تنازعات کی تاریخ کے تناظر میں دوطرفہ انداز نظر کی تقلید عقلمندی ہے- ارسا کی بڑھی ہوئی اہلیت افسر شاہی اور سیاسی سطح پر بدگمانی ختم کرنے میں مددگار ہوگی جیسا کہ تجویز کیا گیا ہے- سول سوسائٹی اور حصہ داروں کا متحرک ہونا غلط فہمیوں کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا- کئی کامیابیوں کی کہانیاں موجود ہیں جہاں حصہ داروں کی شمولیت نے ریاست

کے اندر اور سرحدوں سے باہر پانی کے طویل مسائل کو حل کرنے میں مدد کی ہے- جہاں ان مسائل کو مکمل طور پر حل نہیں کیا جا سکا وہاں کم از کم فریقین کے مؤقف میں نرمی پیدا کرنے میں مدد ملی ہے- صوبوں اور دیگر خطوں کے تمام اسٹیک ہولڈرز کے درمیان درست معلومات اور ریسرچ کی روشنی میں مذاکرات کی سفارش کی جاتی ہے- ان اسٹیک ہولڈرز میں کسان، آبی ماہرین، منتخب نمائندے اور حکومت شامل ہے

14) یہ ظاہر ہے کہ نظام میں پانی کی کمی ہے- طلب دستیابی سے زیادہ ہے اس لئے زیادہ تر ارسا حصہ میں کمی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ اس وقت بہت مشکل ہو جاتا ہے جب بڑے صوبے اپنے معاشی نان ونفقہ کے لئے پانی پر انحصار کرتے ہیں اور اپنے نکتہ نظر پر مضبوطی سے ڈٹے رہتے ہیں- معاہدہ کی موجودگی کے باوجود صوبے ابھی تک مسائل کے ایک جامع حل سے محروم ہیں- اس کے لئے ہمیں دوسروں کی طرف دیکھنا ہوگا کہ انہوں نے ایسے ہی مسائل کا کس طرح جامع حل تلاش کیا کیونکہ اپر اور لوئر رائپیرینز میں پانی کی تقسیم کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے-

کچھ ایسی بہت عمدہ مثالیں ہیں جہاں پانی کی تقسیم کے بین ریاستی مسائل کے بہتر حل نکالے گئے اور کمی میں حصہ داری کو فائدہ میں حصہ داری پر مرکوز کیا گیا حالانکہ اس میں بڑی تبدیلی شامل ہے لیکن سب اطراف کی کامیابی کو ممکن بنانے کے لئے راستہ کھولتی ہے-

یہ تجویز نہیں کیا جا رہا کہ کسی چیز نے ایک جگہ کام کیا ہو وہ کسی دوسری جگہ بھی وہی برابر کام کرے گی لیکن سنجیدگی سے اس چیز کو دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسی تبدیلی ہمیں کیسے کامیابی کی طرف لے جائے گی- صوبوں کو ایک چیز پر متفق کرنے کے لئے ابھی تک کوئی فریم ورک نہیں بنایا جا سکا - یہ ایک مشکل ہے لیکن کچھ اطراف سے ممکنات ہیں جس میں فریقین متفق ہو جائیں -اس کے لئے شفافیت، غیر جانبداری اور خلوص اہم چیزیں ہیں تا کہ سندھ طاس کے پانی کو اکٹھے استعمال کر سکیں۔

سندھ اور بلوچستان کا تنازعہ کافی حد تک ایک تکنیکی مسئلہ ہے- خریف کے شروع میں شمال مغربی نہر کے لئے سکھر بیراج سے پانی حاصل کرنے کی گنجائش بڑھانے کی ضرورت ہے- یہ اس صورت میں ممکن ہوگا کہ شمال مغربی نہر کے رستے بڑھائے جائیں اور اخراج کی سطح کو بڑھایا جائے- بلوچستان محسوس کرتا ہے کہ مسئلہ مشکل وارہ برانچ کے رائس نہر میں ہیڈ کی تبدیلی کی وجہ سے ہے، جس سے گاد بڑھ رہا ہے- اس معاملہ کی ضروری اصلاح کے لئے اسے مثالی تجربہ کے حوالہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے- واپڈا کو حب ڈیم میں جمع پانی کی تقسیم کے معاملے میں وضاحت کی ضرورت ہے جس نے اس منصوبے کی تکمیل کی-

کہتے ہیں کہ جہاں چاہ وہاں راہ- اگر پانی کے تنازعہ کو حل کرنے کے لئے آمادگی ہو تو حصول ممکن ہے-

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

ہیڈ آفس: نمبر 7، 9th ایونیو، F-8/1 اسلام آباد، پاکستان
رجسٹرڈ آفس: 172-M، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، لاہور، پاکستان
ٹیلیفون: (+92-51) 111-123-345 فیکس: (+92-51) 226-3078
E-mail: info@pildt.org; Web: www.pildat.org